کلامِ لطف

یعنی

استاذ العلماء حضرت مولینا مفتی محمد لطف اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا کلام

مرتبہ

محمد بدر الدین علوی

استاذ ادبیات شعبۂ عربی مسلم یونیورسٹی علیگڈھ

باہتمام مولوی مسعود علی ندوی

مطبوعۂ معارف پریس شہر اعظم گڈھ

۱۳۵۵ھ
۱۹۳۷ء

اُستاذ العلماء مولانا مفتی محمد لطف اللہ صاحبؒ

کا

کلام

استاذ العلماء کے عنوان سے ایک بسیط مقالہ معارف اپریل ۱۹۳۳ء مین نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن خان صاحب شروانی کے قلم سے نکلا تھا، جو بعد مین بصورت رسالہ علحدہ بھی شائع ہوا، مولانا ممدوح مستحقِ شکر ہین، کہ اُنھون نے اس مقالہ کے ذریعہ سے ایک بڑی علمی خدمت انجام دی، فجزاھم اللہ تعالیٰ خیرا،

استاذ العلماء کی سوانح عمری نہایت بسیط موضوع ہے، جس پر بڑی ضخیم کتاب لکھی جاسکتی ہے، اس کتاب کا ہر باب اخلاف کے لئے فیض رسان اور قابلِ تقلید ہوگا، اس وقت اُس کا صرف ایک باب ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے، جو اُن کی شاعری کے متعلق ہے، اگر خدا کو منظور ہے تو اُن کے مخصوص علمی کارنامون کا باب بھی عنقریب پیشِ خدمت کیا جائیگا،

تمہید

اصل مضمون پر قلم اٹھانے سے قبل اپنے شفیق استاذ رحمۃ اللہ علیہ کی محبت مین سرشار ہوکر چند جذبات کا اظہار کئے بغیر نہین رہ سکتا کہ جن کے سلسلہ مین اپنی حدود کے باہر واقعات نگاری پر پہنچا ہوا بھی نظر آؤنگا، لیکن کیا کیا جائے،

لابدّ للمصدور من أن ینفثا

حضرت کے انتقال کو بیس سال ہوگئے جو واقعات کے بھول جانے کے لئے کافی مدت ہے، مگر اس وقت تک اُن کی تقریرین اور کلمات کانون مین گونج رہے ہین اور صورتِ مبارک نظرون کے سامنے ہے،

میرا زمانۂ تعلیم وہ تھا کہ جب حضرت نابینا اور معذور ہوکر درس باضابطہ بند فرما چکے تھے میری انتہائی خوش قسمتی تھی کہ ایسے وقت مین مجھکو نعمتِ غیر مترقبہ حاصل ہوئی اور شرفِ تلمذ سے بہرہ ور ہوا، مجھسے اکثر فرمایا کرتے تھے، پڑھانا تو میری غذاے روح تھا، اسی ذوق کا نتیجہ تھا کہ مولوی کرم الٰہی صاحب مرحوم جو فارسی اور تجوید کے استاد تھے، باضابطہ درس کے زمانہ سے برابر پڑھتے چلے آتے تھے، اُن کے درس کا سلسلہ حالتِ معذوری مین بھی جاری تھا اور وہ اپنی پیرانہ سالی مین بھی شوق کی وجہ سے طالب علم بنے ہوئے تھے، اُن کے دو سبق اس شان سے ہوتے تھے کہ منگل اور جمعہ کی بھی تعطیل نہ ہوتی تھی،

میرے حاضرِ خدمت ہونے کی صورت یہ ہوئی کہ مجھکو مولوی اخلاق احمد صاحب مرحوم سہسوانی

پڑھایا کرتے تھے، جب وہ علی گڈھ چھوڑ کر وطن جانے لگے تو میرے اسباق کا انتظام زیر غور ہوا، بالآخر
اُن کی رائے ہوئی کہ میرے والد ماجد استاذ العلماء کی خدمت مین حاضر ہو کر التماس کرین کہ ایک سبق
مجھ کو حضرت پڑھا دیا کرین، والد مرحوم مولوی حافظ محمد عبد الرحیم صاحب وکیل علیگڈھ خود فارغ التحصیل
عالم اور اپنے زمانہ کے مشاہیر اساتذہ مولانا فاروق صاحب چریا کوٹی، مولانا ہدایت اللہ خان صاحب
رامپوری، مفتی یوسف صاحب فرنگی محلی اور مولانا معین الدین صاحب کروی کے شاگرد تھے،
فرماتے تھے "میری طالب علمی کے زمانہ مین استاذ العلماء کا علم شہرت لہرا رہا تھا، اور اُن کے کمالات
کے چرچون نے غائبانہ عقیدت اُن کے ساتھ میرے دل مین قائم کر دی تھی" علی گڈھ آنے کے
بعد یہ عقیدت نمایان ہو گئی اور والد مرحوم استاذ العلماء کی خدمت مین شاگردون کی طرح حاضر ہونا
اپنی سعادت سمجھتے رہے، مولوی اخلاق احمد صاحب کی تجویز سُنکر فرمایا کہ ایسی معذوری کی حالت
مین مجھ کو التماس کرنے کی ہمت نہین ہوتی، ڈرتے ڈرتے مولوی صاحب مرحوم نے خود مجھ کو
ساتھ لیجا کر التماس پیش کی، جو بہت کشادہ پیشانی کے ساتھ منظور ہوئی اور حضرت نے مجھکو اپنی
علمی آغوش مین لے لیا، یہ سعادت خود ہی کیا کم تھی اس پر سے یہ سندِ قبول بھی عطا ہوئی کہ حضرت نے
میرے بارہ مین یہ کلمات فرمائے :-

" میان مولوی بدر الدین جب پڑھنے آجاتے ہین تو مین اپنی تکلیفین بھول جاتا ہون اور
جب تک ان کو پڑھاتا رہتا ہون ہائے ہائے سے نجات ملجاتی ہے" (ملاحظہ ہو رسالہ استاذ العلماء ص)

یہ کلمات میرے لئے جس قدر بھی مایۂ ناز ہون بجا ہے، خوشا نصیب و زہے قسمت کہ مجھ حقیر اور
ناچیز کے سبق کو حضرت نے اپنی تکلیفون کے بھول جانے کا باعث اور ہائے ہائے سے نجات
دینے کا سبب تصوّر فرمایا، فالحمد للہ علی ذلک، یہ سلسلۂ سعادت سات برس تک جاری
رہا، شروع سے آخر تک جو شفقت مجھ پر فرماتے رہے، اس کا اظہار غیر ممکن ہے، اگر کسی وقت مجھکو

حاضر ہونے مین ذرا دیر ہو جاتی تو فوراً خادم میرے دروازہ پر ہوتا کہ میان خیریت پوچھتے ہین، اکثر اعزہ اور شاگردون کے نام مجھ سے خطوط لکھواتے، اور فرماتے کہ ہمارے حضرت مفتی (عنایت احمد) صاحب مجھ سے خطوط لکھوایا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ تم تو ہمارے نورِ چشم ہو،

اُستاذ العُلما کی شاعری اور نقدِ سخن

حضرت کے والد مولوی اسد اللہ صاحب اچھے شاعر تھے مضطر تخلص تھا، اخیر مین ضیق النفس کا عارضہ ہو گیا تھا، لیکن دورون کی شدید تکلیف مین بھی اشعار موزون کیا کرتے، اُن کے شعر کبھی کبھی حضرت مجھ کو سنایا کرتے تھے، ایک واقعہ خود حضرت کا بیان فرمایا ہوا یاد آگیا، مولوی صاحب نے ایک غزل کہی تھی جس کے صرف تین شعر محفوظ رہ گئے ہین،

لے اڑی طرزِ فغان بلبلِ نالان ہم سے
گل نے سیکھی روشِ چاک گریبان ہم سے

لاکھ روکا نہ رکا دیدۂ گریان ہم سے
لو ہوا چاہتا ہے نوح کا طوفان ہم سے

پاؤن پھیلائے تو ہی رہنا ہے ان کا بلبل
چھوٹتا ہے کوئی دم مین یہ گلستان ہم سے

یہ غزل کسی نے مرزا غالب کو سنائی، بہت پسند آئی، پوچھا کس کی ہے، سنانے والے نے کہا کہ کول مین ایک مولوی اسد اللہ ہین، مرزا نے کہا، کیون نہ ہو یہ نام کا کمال ہے، (مرزا کا نام بھی اسد اللہ تھا)

استاذ العلماء کی شاعری میرے نزدیک میراثِ پدری تھی، اوائلِ عمر ہی مین شعر گوئی کا ذوق ہوا ہوگا، لیکن خدا نے اُن کو پیدا تو دوسرے کام کے لئے کیا تھا، اس لئے دولتِ علم سے مالا مال ہو کر دریائے فیض جاری کیا، اور اخیر تک اسی کے اجرا مین مصروف رہے، ایسی حالت مین ظاہر ہے کہ حضرت کی شاعری کوئی باضابطہ شاعری نہ تھی، اگر کسی وقت طبیعت شگفتہ ہوئی تو کچھ اشعار

موزون ہوگئے، تاریخین کبھی خود نظم فرمائین، کبھی کسی کی درخواست پر، کسی وقت جی چاہا تو کسی شاگرد کو منظوم خط لکھ دیا، یہ کیفیت اس وقت کی ہے جب درس مین انہماک تھا، اس سے قبل یعنی اوائلِ عمر کا یا محض فارسی کی تکمیل کے بعد کا کلام بھی ہے،

کلام زیادہ تر فارسی ہے، کچھ اردو مین بھی ہے، عربی مین بجز ایک تاریخ کے کوئی اور چیز نہین ملی، غالبًا اس کی وجہ یہ ہوگی کہ فارسی تعلیم کے بعد ذوق کا میلان فارسی مین راسخ ہوگیا، اور پھر یہ رخ نہ بدلا، فارسی اور اردو دونون مین کہین ذرّہ اور کہین لطف تخلص فرماتے تھے،

شعرگوئی کے مذاق کے ساتھ حضرت بڑے نقادِ سخن تھے، اور شاعری کا پورا ذوق تھا، مولانا شروانی نے بالکل صحیح لکھا ہے، (مین نے اپنے زمانہ مین بھی یہی مشاہدہ کیا،)

"خاص صحبتون مین اشعار کا ذکر چھڑ جاتا تو گھڑیون جاری رہتا، اشعار لطیف پڑھتے لطف و خوبی ظاہر فرماتے، ایک ہی قافیہ یا مضمون پر متعدد اساتذہ کا کلام سناتے، عربی فارسی اردو ادب سے یکسان ذوق تھا" (رسالہ استاذ العلماء ص ۱۹)

ایسے نقادِ سخن کے کلام مین جتنی خصوصیات اور خوبیان بھی ہوسکتی ہین، وہ سب حضرت کے کلام مین موجود ہین، جو فصاحت و بلاغت، جو سلاست اور روانی اور جو بے تکلفی اور آمد ہے وہ ناظرین کو آیندہ نمونون سے خود معلوم ہوجائے گی، سارے کلام مین استادانہ انداز نمایان ہے

اس زمانہ کے عام دستور کے مطابق حضرت مرحوم کا اصل ذوقِ سخن فارسی مین تھا، چنانچہ آپ کی فکرِ رسا اسی میدان مین داد سخن دیتی تھی، آپکا فارسی کلام بہت کافی ہے، اور آپنے فارسی کے بیشتر اصنافِ سخن پر طبع آزمائی فرمائی ہے، اور ہر صنف کے نمونے آپ کے کلام مین موجود ہین جو بلا تامل اہلِ زبان کے کلام کے پہلو بہ پہلو رکھے جاسکتے ہین،

ترتیب کا انداز

مین نے اشعار کی ترتیب اس طور پر کی ہے کہ پہلے نعتیہ کلام کو رکھا ہے، اس کے بعد مناجات پھر مدح، اس کے بعد عشقیہ کلام ہے، جو حروفِ تہجی کے لحاظ سے مرتب ہے، پھر مراثی ہین وہ بھی حروف پر مرتب ہین، مراثی پر تاریخین ہین، ان کی ترتیب باعتبارِ زمان سنین ہے اور ایک ہی سنہ کی تاریخین بہ ترتیبِ حروف ہین، اخیر مین متفرقات کا عنوان ہے، جن مین پہلے طویل نظمین ہین، بعد مین مختصر، مختصرات مین پھر ترتیبِ حروف ملحوظ ہے،

شُکر

اخیر مین نواب صدر یار جنگ مولانا شروانی صاحب کا شکر ادا کرنا ضروری ہے، جنھون نے نہ صرف اس مسودہ کو معائنہ فرما کر پسندیدگی ظاہر فرمائی اور بعض قیمتی مشورون سے بھی مستفید فرمایا، بلکہ موصوف کو جو شغف شفیق استاذ کیساتھ ہے، اس کے باعث اس مجموعہ کے مصارفِ طبع کی کفالت بھی فرمائی، جس کے لئے مجھ کو مزید شکر ادا کرنا واجب ہے، اس جگہ مجھکو اپنے مکرم دوست جناب مولوی ضیاء احمد صاحب لیکچرار شعبۂ فارسی کا شکر ادا کرنا بھی لازم ہے، انھون نے ازراہِ کرم اس پورے مسودہ کو پڑھا اور ترتیبِ اشعار کے متعلق مناسب اور صحیح مشورہ دے کر تین چار جگہ ناقلین نے مسخ تک پہنچنے والی جو غلطیان کتابت مین کر دی تھین اُن کو اپنی بصیرت سے دور فرمایا، اس سلسلہ میں اپنے محترم کرمفرما جناب مولنا سید سلیمان صاحب ندوی کا شکر ادا کرنا بھی فرض سمجھتا ہون، جنھون نے اس مجموعہ کے نشر و اشاعت مین کامل دلچسپی اور توجہ ظاہر فرما کر نہایت صحیح اور آب و تاب کیساتھ اسکو زیورِ طبع سے آراستہ فرمایا

محمد بدر الدین، مسلم یونیورسٹی علیگڈھ ۱۲ اگست ۱۹۳۶ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کلامِ نعتیہ

حبیبے را کہ احمد نام کردند — شرابِ عشقِ او در جام کردند
کسے کو گشت زاں صہبا مست — مقامش برتر از اوہام کردند
زگیسوہائے عنبر بوئے جاناں — برائے صیدِ دلہا دام کردند
سوادِ جانفزا و ز لیلۃ القدر — زچشمِ سرمہ سائش وام کردند

زجودِ حق مشو اے لطف نومید
کہ نامش مفضل و منعام کردند

تو اے صبا گذرے کن بجانبِ بطحا — کہ آں بطیبہ وطابہ بدہر شد مشہور
پیامِ من برساں در حضورِ ختمِ رسل — کہ اے شفیعِ خلائق بروزِ بعث و نشور
منم کمینہ غلامِ او فتادہ دور از در — بحالِ زار زبون و بخاطرِ رنجور
مرا بسوئے خود اے فخرِ انبیا برکش — کہ برتری ز سلیمان و کمترم از مور
بر آستانِ تو آیم اگر بسر اے شاہ — خوشا نصیب و زہے بختِ بندۂ مہجور

ہو تیرا بھلا ساقی اک جام ہمیں بھر دے　　یہ تجھ ہی سے ہووے گا، ہر کار کو ہر مر دے
ہو دور پریشانی جاتی رہے حیرانی　　میری بھی طرف گر وہ رحمت کی نظر کر دے
وہ سب سے بہادر ہے جو شوقِ شہادت میں　　سر اپنا تہِ تیغِ ابروئے بتاں دھر دے
کون اس سے عیاں تر ہے ہر جا وہی ظاہر ہے　　سب حال یہ کھل جائے اٹھ جائیں اگر پردے
یا ختمِ رسل رحمے کز جورِ فلک دارم　　ہم دیدہ پر از اشکے ہم سینہ پر از درد ے

فرقت میں مدینہ کی اے لطف تڑپتا ہوں
اک آن میں اڑ جاؤں خالق جو مجھے پر دے

مناجات

فغاں کہ چرخِ ستمگار بر سرِ کین ست　　اجل شتاب کہ ہنگامِ یاوری این ست

یارب بوزرے کہ قبر گردد جایم　　رحمے کہ متاعِ پاک دیں بربایم
چوں برخیزم ز قبر ہنگامِ نشور　　با دولتِ ایماں بہ حریمت آیم

بجنابِ تو خداوند دو عالم نالم　　زانکہ جز تو نرسد ہیچ بداد حالم
بر منِ زار ببخشائے کہ از جورِ سپہر　　سخت شوریدہ سر و طرفہ کسیر البالم
مگر ایں چرخِ جفا پیشہ بسے جست و نیافت　　از پئے مشق ستم جز تنِ من در عالم
رحم کن رحم خداوند کہ از غایتِ غم　　مے رود از کفِ من دامنِ استقلالم
بہ طفیلِ شہِ کونین رسولِ عربی　　آنکہ باشد بفدایش دل و جان و مالم

آنکہ وصفش شد بروں ز حدِ وہم و قیاس — زانکہ در مدحت او الکن و گنگ و لالم
وا رہانم ز غم و غصہ چنانم کہ بقہر — چرخ را لت زنم و گوش عدو را مالم

ہر چند کہ صاحبِ کمالم — از جورِ فلک شکستہ بالم
از دستِ تو اے سپہرِ بے مہر — تا چند بہائے ہائے نالم
زاں ترس کہ بر کشم ز دل آہ — بر درگہِ چارہ سازِ عالم
اے بندہ نواز بندہ پرور — رحمے کہ بسے تباہ حالم
یا بم نمی ار ز ابرِ لطفت — بر خویش برنگِ سبزہ مالم

یا رب روزے کہ بر سرِ چار کساں — راہے جویم بجانبِ گورستاں
بیروں جہم از مکائدِ اہلِ زماں — فارغ شوم از کشاکشِ این و آں

اے آنکہ توئی خالقِ افلاک و زمیں — مملوکِ تو باشند زکہیں تا بہ مہیں
خواہم از تو کہ تا بہنگامِ پسیں — من باشم و آستانہ سرورِ دیں

مدح

مولانا شاہ فضل رحمن صاحب کے متعلق

من کہ از علم مرا نیست بخاطر جز نام — حیرتم از چہ شمارند مرا از اعلام

چوں سنے رانتواں گفت کہ عالم ہستی — مگر اسے شخص کہ گوئی تو چنانم مستی

جاہلم جاہلی و بے ہنری کارِ من است — ویں متاعیست کہ ہموارہ بہ بازارِ من است

اگر از بے ہنری ہست متاعت در کار — پیشِ من آ و بیک لحظہ ببر صد خروار

عالم آنست کہ از معرفتِ حضرتِ حق — باشد اندر دلِ او پُر طبق فوق طبق

عالم آنست کہ از سرِّ کتاب و سنّت — گر بگوید سخنے خلق فتند در حیرت

آنکہ از علمِ حقائق وشش آگاہ بود — بے گماں در صفِ اعلام ورا راہ بود

ور بہ پرسی کہ دریں عہد کہ بود ست چناں — گویمت فخرِ زمن حضرتِ فضلِ رحماں

آنکہ گر لب بکشاید بہ بیانِ توحید — گم شود ہر چہ بدہر ست بجز ذاتِ وحید

آنکہ گر دم زند از سرِّ وجودِ اوّل — صد معما شود از یک سخن او منحل

نکتۂ سرِّ الست ار بزبانش آید — ہر یک از ہر طرفے لب بہ بلے بکشاید

ایں کہیں پایہ فرومایہ نگوں سر یارب — بدرش ہمچو سگاں با ونشستہ بہ ادب

کلامِ عشقیہ

اے گوہرِ درجِ خوبروئی زود آ — وے شمعِ شبستانِ نکوئی زود آ

جانم ز فراقِ تو رسید ست بلب — اے آنکہ مرا تو آرزوئی زود آ

(حاشیہ صفحہ ۹) لہ مولانا شاہ فضل رحمان صاحب کو استاذ العلماء سے خاص محبت تھی، جو شخص گنج مرادآباد سے علی گڈھ آتا مولنٰا اس کے ذریعہ استاذ العلماء کو سلام ضرور کہلواتے، استاذ العلماء مجھ سے فرماتے تھے کہ ایک بار میں مولنٰا کے یہاں حاضر تھا صحیح مسلم ہاتھ میں تھی اور یضربون مشارق الارض ومغاربہا پیش نظر، میری طرف خطاب کر کے فرمانے لگے، دیکھئے ہم اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں "پورب پچھم مارے مارے پھرتے تھے" اس واقعہ کو لطیف انداز میں بیان فرماتے تھے۔

بکوے دوست برو اضطراب دل ما را　　　کہ تا زدود بہ بینم جمال سلمیٰ را
مجنبش من و بازو و ریش عجب ست　　　نہ کرد ہیچ کسے حل مرایں معما را

درد دل[۱] آزردہ دارد و ذرّہ را　　　اے دواے درد دل از در درآ

اے مقصد و آرزوے دلہا　　　بنگر ز کرم بسوے دلہا
در گنبد ایں سپہر گردوں　　　شوریست ز ہاے ہوے دلہا

من و صد گونہ رنج و ہر زماں از غصہ جاں دادن　　　کجا دانند حال سرخوشان جام عشرتہا

کبھی ہم پر وہ مہرباں نہ ہوا　　　کبھی دل اپنا شادماں نہ ہوا
کس لئے مجھ سے بدگماں ہو تم　　　مین کبھی تم سے بدگماں نہ ہوا
اندر اندر ہی سینہ کے دلِ زار　　　جل گیا پر کبھی دھواں نہ ہوا
عاشقی میں ہوا ہوں افسانہ　　　ذکر میرا کہاں کہاں نہ ہوا
فکر کیا کیا نہ کی چھپانے کی　　　حال دل کا مگر نہاں نہ ہوا
دیکھنا میری بیقراری کو　　　آہ اس وقت وہ یہاں نہ ہوا
یہی حسرت ہے مجھ کو اے ذرّہ
کہ مرے گھر وہ میہماں نہ ہوا

۱؎ یہ بیت صنعت فرد میں ہے یعنی اس کا ہر حرف دوسرے سے جدا ہے،

اے صبا راست بگو آں بتِ گلفام کجاست — آں پری چہرہ کہ سلمی بودش نام کجاست
آں چناں رفتہ ام از خویش بعشقِ آں ماہ — کہ ندانم کہ سحر ہست کجا شام کجاست
من بیادِ رخِ او سوختم و حیف کہ گاہ — او نہ پرسید کہ آں عاشقِ ناکام کجاست
وقفِ صد رنج و غمم تا بوجود آمدہ ام — من نہ دانم چہ طرب باشد و آرام کجاست
ساقیا مازمے عشقِ صنم مدہوشیم — ما چہ دانیم کہ میناست کجا جام کجاست

ذرّہ از سادگیِ خویش درافتاد بہ بند
ایں نہ دانست کہ صیاد کجا دام کجاست

از درش عاشقِ مسکیں بچہ عنواں برخاست — ہمہ یاس و ہمہ حسرت ہمہ حرماں برخاست
مژدۂ مرگِ من آہستہ بگوشش گفتند — "شادماں زی کہ فدائی تو از جاں برخاست"
ہر کہ شاداں بسرِ کوئے نکویاں بنشست — آخر کار چو من بے سر و ساماں برخاست
دلِ من از چمنِ انجمنِ گل رویاں — ہمچو بلبل بصد آہنگ غزل خواں برخاست

ایں خانۂ دل کہ خانۂ بس عالی ست — اے عشق بیا کہ از ہدایت خالی ست
آب از چشم و کباب از سینہ بجوے — وز آہ ہوا کہ مشرِ خوشش حالی ست

ہر دم از سینہ آہ می خیزد — اشک ہر دم ز دیدہ می ریزد
از جفائے سپہری ناظم — ہر زماں فتنۂ بر انگیزد
گاہ از دل بر و سکون و قرار — گردِ غم گاہ بر سرم بیزد
گر میسّر شود وصالِ صنم — زہر در جامِ عشرت آمیزد

ذرّہ زاں بسکہ ستم ہی بینم   کہ دم از مہر و آشتی می زد

کجا نصیب کہ آں ماہ در برم آید   ہمیں بس ست کہ گہ گاہ بر درم آید

دلِ من از طپیدن پارۂ سیماب را ماند   ز گریہ دیدۂ من شیشۂ پُر آب را ماند

گر وصلِ صنم نہ ہو میسّر   پھر موت ہے زندگی سے بہتر
وہ آئیں کہاں ہے ایسی قسمت   بلوائیں کہاں ہے یہ مقدر
ہر آن ہے اسکی یاد دل میں   ہر وقت ہے اُس کا نام لب پر
رہتا ہوں فراق میں جو دل تنگ   آجاتے ہیں بیٹھے بیٹھے چکر
بیتاب ہے اس قدر دلِ زار   سیماب کا ہے گمان اُس پر
یارب مرے دل کو بخش تسکیں   یا اس کو ہی مجھ پہ مہرباں کر
گلزار کی آئیں کب ہو خواہش   جس دل میں بسا ہو یار کا گھر
من ذرہ ام و تو آفتابی   بر من از روے مہر بگذر

زہر[1] خورانی کے واقعہ کے بعد یہ قطعہ فرمایا،

اے فدایت دل و جانم قدمے رنجہ بکن   کہ ز بے مہریِ ابناے زمانم رنجور
زہر کردند بکامم کہ در آمد بنظر   روز روشن چو شبِ ہجر نکو یاں دیجور
شور بر حالتِ زارم ز عزیزاں برخاست   مرگ ہم چہرہ نما گشت بچشم از دور

---

[1] واقعہ زہر خورانی کے لئے ملاحظہ ہو رسالہ استاذ العلما، ص ۱۳

گریہ می کرد ہر آنکس کہ ببالینم بود — دستہا بہر دعا سوے خداوند غفو
ناگہاں فضل خداداد ازاں ورطہ نجات — واں ہمہ رنج و الم گشت مبدّل بسر
اندراں حال زبوں یاد تو بُد در دل من — نیز بُد روے نکویت بخیالم منظو
می تواں دیدہ ز ہر دیدنی دہر بہ بست — لیک از دیدن رویت نتواں گفت صبو
دمکے بر سر بالین من از ناز بیا — اے کہ خورشید غلام ست و پرستارت حو

من شیفتۂ روے نکویت ہستم — دلدادۂ زلف مشکبویت ہستم
ہر چند بظاہر از تو دوری دارم — اما بخیال روبرویت ہستم

اے مہر سپہر حسن و دریاے کرم — رحمے کہ اسیر دام زلفت ہستم
خواہم ز صمد دل عدو سوز صنم — گفتم بکنایت و اشارت فافہم

حلقہ در بینی صنم دیدم — خویشتن را بخویش گم دیدم
از ادای نگاہ مست او — بر دل و جاں چہا ستم دیدم

من عاشق روے توام شیداے گیسوے توام — افتادہ در کوے توام بنگر بسویم از کرم
دلدادہ و دیوانہ ام حسن ترا پروانہ ام — از خویشتن بیگانہ ام رحمے بحالم اے صنم
اے جان من جانان من اے نازنین نازک بدن — اے دلبر سیمیں ذقن از دوریت جان بر لبم
در عشق تو اے مہ لقا ہستم گرفتار بلا — رفت است خواب از دیدہ ہا ہمسایہ را از یاربم

اے من بلاگردانِ تو جان و دلم قربانِ تو — تا چند از ہجرانِ تو باشم اسیرِ رنج و غم
جاں در ہوایت باختم دل صیدِ نازت ساختم — ہم شمع ساں بگداختم از آتشِ حسنت صنم

من نہ ہجرِ تو چنانم کہ تو بینی اگرم — نہ شناسی تو ز من ہیچ بجز چشم ترم

گہ ز زلفش سخن دراز کنم — گہ با بروے او نماز کنم
گاہ از فرطِ اضطرابِ دل — گلہ از روزگار باز کنم
وارہم از غمِ فراق اگر — دیدہ بر روے یار باز کنم
من بہندوستاں پریشانم — بہ کہ رو جانبِ حجاز کنم

گذر بسوے منِ زار می توان کردن — عیادتِ دلِ بیمار می توان کردن
وصالِ یار دہد دست گر دل و جاں را — نثار بر قدمِ یار می توان کردن
ہواے وصلِ صنم می برد مرا از جا — مقام بر درِ دلدار می توان کردن
روا مدار شکایت ز دلربا اصلا — گلہ ز بختِ نگوں سار می توان کردن

اے بتِ گلعذارِ سیمیں تن — نظرے سوے من ز لطف فگن
در فراقِ تو اے صنم ہستم — موردِ صد ہزار رنج و محن
دلِ من بے رخِ تو اے جاناں — ہست بیزار از گل و گلشن
عاشقِ تو ز فرطِ جوشِ جنوں — جیب را چاک کرد تا دامن

آفتابِ سپہرِ حسن توئی ذرّۂ خاکسارِ ہستم من

ترے[1] فراق مین بے صبر و بیقرار ہوں میں شکستہ خاطر و آشفتہ و نزار ہوں میں
کبھی ہوں فرطِ الم سے مثالِ برقِ تپاں کبھی سحاب کی مانند اشکبار ہوں میں
نہ دل کو چین نہ پیروں میں طاقتِ رفتار ترے بغیر بحالِ زبون و زار ہوں میں
مین خاکسار ہوا اس قدر کہ اے جاناں تمھاری خاطرِ نازک پہ اب غبار ہوں میں
ہر ایک شخص کے نزدیک معتبر ہوں ولے تری نگاہ میں ساقط ز اعتبار ہوں میں
بہت نظر سے گرایا بس اب تو پیار کرو تمھارے پیار کا مدت سے خواستگار ہوں مین
جو ایک بار کرو مجھکو جی سے پیار اے جان تمھارے پیار کے صدقے ہزار بار ہوں میں
تمھیں کہو کہ کہاں جاؤں اور کہوں کس سے جو تم نہ پوچھو تو پھر کیون نہ اشکبار ہوں میں
کبھی کبھی جو کہی مین نے تم سے سچی بات قسم خدا کی نہایت ہی شرمسار ہوں میں
کہا جو کچھ کہ کہا پر نہ دشمنی سے کہا جو دشمنی سے کہا ہو تو سخت خوار ہوں میں
غضب کی بات ہے گر ہوں میں آپکا دشمن قسم ہے حضرتِ حق کی کہ دوستدار ہوں میں
کبھی کہوں گا نہ دل سے تمھیں برا اے جاں تمھارا عاشقِ شیدا و جان نثار ہوں میں
اگرچہ ہوں میں سراپا خطا و لے اے جان تمھارے لطف و کرم کا امیدوار ہوں میں
خدا کے واسطہ کر دو مرا قصور معاف اگرچہ حد سے زیادہ گنہگار ہوں میں
کرو نگاہ سے بسمل جو ہے سزا منظور اسی سزا کے سزاوار اے نگار ہوں میں
برا ہوں یا کہ بھلا آپ کا ہوں دیوانہ غلام و یارِ وفادار حق گزار ہوں میں

[1] یہ غزل نو عمری کے زمانہ کی ہے،

تمھارے زلف کے پھندے سے چھٹ نہیں سکتا
یہ جال وہ ہے کہ جس کے لئے سکار ہوں میں

جو لطف و فضل الٰہی ہو اپنے شامل حال
تو ایک آن میں دریائے غم سے پار ہوں میں

غم عشق بتاں ہے اور میں ہوں
دل ناشادماں ہے اور میں ہوں

نہیں تھمتے شب فرقت میں آنسو
یہ دریائے رواں ہے اور میں ہوں

شب تار فراق دلربا میں
قلق ہے اور فغاں ہے اور میں ہوں

کہاں قسمت کہ پہنچوں اس کے در تک
فراق جان جاں ہے اور میں ہوں

فلک سے کب توقع ہے وفا کی
جفائے آسماں ہے اور میں ہوں

کوئی قصہ نہیں مجھ کو خوش آتا
صنم کی داستاں ہے اور میں ہوں

تیری صورت کا میں دیوانہ ہوں
تو تو ہے شمع میں پروانہ ہوں

میں ترے عشق میں اے مہ لقا
ہر گلی کوچہ میں افسانہ ہوں

بیا جاناں بیا اے آنکہ جان من فدائے تو
بحال زار من بنگر کہ چونم در ہوائے تو

چہ خوش باشد اگر باشی تو اے جاناں بر من
زہے قسمت اگر من اے صنم باشم برائے تو

بگوشم ایں صدا می آید از ہمسایگاں ہر دم
کہ اے قدرہ بجاں ہستیم ما از ہائے ہائے تو

سرت گردم دمے شادم ز وصلت کن کہ ہستم من
اسیر دام زلفت بسمل تیغ ادائے تو

کہاں جاؤں کہوں کس سے جو کچھ دل پر گذرتا ہے
مگر پیش تو نالم اے صنم از جور ہائے تو

مضیٰ عمری و عقبیٰ ما بقی فی فرقتہ سلمیٰ
رضینا بالقضا یا رب اگر ہست ایں رضائے تو

عالمے بہرِ تماشاے تو گرد آمدہ است　　وہ چہ روے عجبے قابلِ دیدن داری
ہیچ گاہ بے تو آنی کہ روی از دلِ من　　اے کہ از دیدۂ من قصدِ رمیدن داری
قصّۂ بے سروسامانیِ خود شرح دہم　　بحضورِ تو اگر تابِ شنیدن داری
اے صبا گر گذری سوے صنم فاش بگو　　عاشقے بر سرِ رہ گرم تپیدن داری

مرے دل سے جاتی نہیں یاد تیری　　خبر جلد لے آکے اے یار میری
مصیبت ہے اے یار تیری جدائی　　مجھے کھائے جاتی ہیں راتیں اندھیری

پوچھتے کیا ہو حال کیسا ہے　　صاف ظاہر ہے حال جیسا ہے
چشم سے اشک ہیں رواں ہر دم　　لب پہ نالہ ہے حال ایسا ہے

چو دیدم آں چشمِ سرمہ گینش رواں شدم سیلِ خوں ز دیدہ
سجن کی آنکھوں نے مجکو مارا دہائی ساری خدائی کی ہے
نہ نامۂ سوے من فرستد نہ پرسد از من چہ حال دارد
کوئی یہ پیارے سے جاکے پوچھے کہ ایسی کیا میں[1] برائی کی ہے
ز اہلِ عالم بحالِ زارم کسے ترحم نہ کرد با آنکہ
پھرا ہوں روتا گلی گلی میں نگر نگر میں دہائی کی ہے
حدیثِ دلبر رود بہر جا باستماعش شوم ہمہ گوش
سنوں نہ کیونکر میں اسکی بتیاں کہ جسنے من میں سمائی کی ہے

---

[1] یہ قطعہ بھی نوعمری کا معلوم ہوتا ہے "میں نے برائی کی ہے" کے بجائے "میں برائی کی ہے" استعمال کیا ہے اس قسم کے محاورے قدیم اردو میں مستعمل تھے

اے گوہرِ درجِ خوبرو ئی　　شمعِ کاشانۂ نکوئی
فرقت میں ترے نزار ہوں میں　　بیخواب و بیقرار ہوں میں
ہوتی ہے بری وہ آشنائی　　ہو جس سے ملی ہوئی جدائی
دل لگتا نہین ہے گھر میں میرا　　جنگل میں کروں گا جا بسیرا

مراثی

مرثیہ سالارجنگ[1] وزیرِ اعظم دولتِ آصفیہ:-

فغاں ز حادثۂ جانگزا و جانفرسا　　کہ بردہ است شکیب و قرار از دلہا
فغاں کہ بادِ خزانے وزید در چمنے　　کہ ہیچ دیدۂ دیدش ندیدہ بُد اصلا
فغاں کہ نیّرِ رخشندۂ سپہرِ کمال　　ز گردشِ فلکی زیرِ عرش یافتہ جا
وزیرِ اعظمِ اقلیمِ دلکشائے دکن　　کہ خوش لقب سرِ سالارجنگ بُد اورا
بعدل ہمسرِ کسریٰ بجود حاتم بود　　بجاہ و دولت و حشمت سکندر و دارا
ز علم و فضل ہمی داشت بہرۂ وافر　　سعادتِ ازلی بود از رخش پیدا
ز دستبردِ اجل آہ رخت بربستہ　　بسوئے روضۂ رضواں ز خاکدانِ فنا
چنیں کسے چو ازیں دار رخت بربندد　　چرا نہ نالہ کشند سر بہ عالمِ بالا
ز دیدہ نیّرِ برجِ کمال شد پنہاں　　چرا جہاں نہ در آید سیہ بدیدۂ ما
بمردِ آنکہ فرامیدگاہ عالم بود　　چرا نہ اشک فشانیم ہر صباح و مسا

[1] سالارجنگ کے دو مرثیے اس مجموعہ میں ہیں، دوسرے کے عنوان پر انکا نام تراب علی خاں لکھا ہی جن کا انتقال ۱۸۸۳ء میں ہوا تھا اس وقت استاذ العلما کا تعلق حیدرآباد سے نہ تھا، افسوس کہ اسوقت کچھ پتہ نہ چل سکا کہ کس سلسلہ سے یہ مرثیے لکھے۔

مرثیہ کرامت اللہ[1]،

دل از غمِ فرقتِ کرامت خون ست ‌‌ جاں بے رخِ او بصد الم مقرون ست
اے سبزہ تو از زیرِ زمیں می آئی ‌‌ بر گو کہ عزیزِ من کرامت چون ست

مرثیہ نواب تراب علی خاں سالار جنگ وزیر اعظم دولتِ آصفیہ،

مرکزِ اقبال و دولت سروری عالی ہمم ‌‌ تاجدار و تاج بخش و عزت افزائے جہاں
حامیِ دینِ متین و ماحیِ آثارِ کفر ‌‌ ناشرِ آثارِ جدِ خویش ختمِ مرسلاں
مجمعِ فضل و کمال و مرجعِ جاہ و جلال ‌‌ منبعِ بذل و نوال و اخترِ ہندوستاں
مرجعِ عالم وزیرِ اعظمِ ملکِ دکن ‌‌ صاحبِ سیف و قلم فرزانۂ آصف مکاں
آنکہ مشہور ست از القابِ او مختارِ ملک ‌‌ ہم شجاع الدولہ ہم سالار جنگ اندر جہاں
حیف از جورِ فلک زیں دارِ فانی رخت بست ‌‌ آفتاب اے وائے شد اندر گو مغرب نہاں
اہلِ ماتم را نظر آمد جہاں تاریک تر ‌‌ گنبدِ چرخِ بریں پر شد ز فریاد و فغاں
ہم سیاہ پوشید زیرا سپہرِ نیلگوں ‌‌ زاجتماعِ دودِ آہِ اہلِ ماتم شد عیاں
گر زمین از ماتمِ او خاک بر سر بودہ است ‌‌ آسماں ہم نیلگوں دارد ز مرگش طیلساں

مرثیہ حکیم اکرام اللہ صاحب[2]،

اے عمِ مکرمم کجائی ‌‌ پنہاں ز نگاہِ من چرائی

---

[1] کرامت اللہ ایک صاحبزادہ کا نام تھا جو مولانا امانت اللہ صاحب سے چھوٹے اور مولوی حاجی سلامت اللہ صاحب سے بڑے تھے سات سال کی عمر میں ۔ مارچ ۱۸۸۱ء کو انتقال کیا، استاذ العلماء مجھ سے فرماتے تھے کہ ایکبار قبرستان تشریف لیگئے تھے کہ امانت اللہ کی قبر پر سبزہ اگا ہوا تھا اس کو دیکھکر یہ رباعی موزوں ہوئی ، [2] حکیم صاحب موصوف استاذ العلماء کے حقیقی چچا تھے، ادیرہ دون میں کسی انگریز کے ملازم تھے، وہیں ۱۱ جولائی ۱۸۶۸ء کو انتقال کیا،

آں صورتِ انورِ تو اے عم — یکدم نہ رود ز چشم پر نم
اے عم ز غمِ تو زار نالم — بنگر کہ کجا رسید حالم
اے وا اے زما چناں بریدی — در دہرہ تو خوابگہ گزیدی
از پلکھنہ تا بدہرہ دوں آہ — صد مرحلہ ہست درمیاں راہ
چوں بہرِ زیارتِ تو آیم — چوں گام بسوے تو کشایم
ارضاک اللہ بالنعیم — والفضل الدائم الجسیم

تواریخ

تاریخ تولد دختر محمد ابراہیم خان[1] رام پوری،

خدا بخشید ابراہیم خاں را — نکو دختر بوقتِ نیک مسعود
سروشے از پئے سالِ ولادت — نکو بخت و نکو طالع بفرمود
۱۲۷۰

اپنے[2] ہمزلف قاضی فضل علی کو برجستہ یہ مصرعہ خط میں لکھا جو واقعہ ہونے کے ساتھ تاریخ پر بھی مشتمل ہے،

خوب بارش ہوئی ہے ایکی سال
۱۲۷۱

تاریخ ولادت عبدالرشید خان پسر نواب[3] عبدالعزیز خان بریلوی،

---

[1] ابراہیم خاں کے متعلق کچھ پتہ نہ چلا کہ کون تھے، [2] یہ مضمون مجھسے مولانا عنایت اللہ صاحب مرحوم نے بیان فرمایا تھا، [3] نواب عبدالعزیز خاں والی روہیلکھنڈ نواب حافظ الملک کے پوتے تھے، مفتی عنایت احمد صاحب کے

حق بعبد العزیز خاں بخشید | پسر نیک صورت و سیر
ہاتفے گفت از پئے تاریخ | مہر اوج سعادت و عزت

۱۲۷۳

عربی شاعری کی جانب آپ کا میلان نہ تھا، تاہم اس پر پوری قدرت تھی، جسکا اندازہ ذیل کے عربی اشعار سے ہو سکتا ہے،

تاریخِ وفات مولوی جمیل الدین فرخ آبادی متخلص بہ جمیل[۱]،

علامۃ العصر عارف الدھر | ذو الفضل الکامل العظیم
اعنی شمس الھدیٰ جمیلاً | مدّاح نبیّنا الکریم
ان الرّحمٰن قد توفاہ | بالرفق الناعم الجسیم
ارخت وفاتہ بقولی | ارضاہ اللہ بالنعیم

۱۲۷۶

مفتی عنایت احمد صاحبؒ جب جزیرۂ شور سے رہائی پاکر واپس آئے تو استاذ العلماء ان سے ملنے کو کاکوری تشریف لے گئے، اور وہاں یہ تاریخ پیش خدمت کی،

چوں بفضلِ خالقِ ارض و سما | اوستادم شد ز قیدِ غم رہا
بہرِ تاریخِ خلاصِ آنجناب | بر نوشتم انّ استاذی نجا

۱۲۷۷

تاریخِ طبع قصہ سیاہ پوش موسوم بہ ہدیہ مرغوبہ مصنفہ عنایت اللہ خان قیس[۲]،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱) قیام بریلی کے زمانہ میں ان کی شاگردی میں داخل ہوئے، استاذ العلماء سے اسی زمانہ میں ملاقات اور دوستی ہوئی، نواب عبد العزیز خاں اردو کے شاعر بھی تھے، ان کا دیوان عزیزی طبع ہو چکا ہے، عبد الرشید خاں نے (جنکی یہ تاریخِ ولادت ہے) ۱۳۴۷ھ میں انتقال کیا، ملاحظہ ہو حیات حافظ رحمت خاں مطبوعہ بدایوں صفحہ ۲۲۵،

[۱] مولوی جمیل الدین کوئی ذی علم مداح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے، افسوس ہے کہ ان کے متعلق مزید تفصیل معلوم نہ ہو سکی، [۲] عنایت اللہ خاں عرف چھوٹے خاں قیس فارسی خواں اوسط درجہ کی استعداد کے آدمی تھے

طبع شد چوں ایں نگارین داستاں ۔۔۔ در خیالم فکرِ تاریخش گزشت
ایں چنیں کردم رقم تاریخِ آں ۔۔۔ قصۂ زیبا و نادر طبع گشت

تاریخِ تولدِ فرزند،[1]

زیبا پسرے بفضلِ رب یافتم چراے دل ۔۔۔ از دیدنِ رخِ او صد رنج رفت ہنفت
بہرِ سنِ ولادت بودم بجر فکرت ۔۔۔ بادا بحفظ ایزد ہموارہ ہاتفے گفت
۱۲۷۷

تاریخ وفات[2] حافظ عبدالرشید کولوی،

رفت عبدالرشید ازیں عالم ۔۔۔ باد از حق و راہیتا خلد
ہاتفے گفت سالِ رحلتِ او ۔۔۔ جاے عبدالرشید بادا خلد
۱۲۷۷

تاریخ طبع قصیدہ نعت نبی موسوم بہ گلدستۂ نعت بار دوم،

شکر گویم مر خداوند عالم را کہ باز ۔۔۔ باصفا گلدستۂ نعت نبی مطبوع شد
سالِ طبعش گر ہوس داری برآے یادگار ۔۔۔ کن رقم نعتِ رسول الطحی مطبوع شد
۱۲۷۷

قصہ سیاہ پوش کی دوسری تاریخ،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲) استاذ العلماء نے ان سے دو چار سبق کسی ابتدائی کتاب کے پڑھے تھے لیکن ہمیشہ انکی تعظیم بڑے سے بڑے استاد کے مانند کیا کرتے تھے، [1] یہ تاریخ غالباً مولانا عنایت اللہ صاحب کی ولادت کی ہے، [2] حافظ عبدالرشید کولوی سے کیا تعلق تھا، اس کا کچھ پتہ نہیں چلا،

قیس چوں از جودتِ طبعِ رسا — ز و رقم ایں قصۂ معجز نظام

ہاتفِ غیب از پئے تاریخ گفت — داستانِ پاک و شیریں ایں کلام

1277

جب مفتی عنایت احمد صاحبؒ جزیرہ شور سے واپس ہو کر کاکوری تشریف لائے تو استاذ العلما کو اپنے استاد کی قدمبوسی کا اشتیاق پیدا ہوا، اور ذیل کی رباعی لکھ کر اُن کی خدمت میں بھیجی،

بہلاؤں کہاں تک دلِ ناشاد کو میں — کبتک کروں ضبط آہ و فریاد کو میں

انشاء اللہ ایک ہفتہ کے بعد — آتا ہوں قدمبوسیٔ استاد کو میں

1277

چوں[1] ایں خجستہ اختر بساعتِ نیک گشت پیدا — طرب بہر طرف شد ہویدا الم ز بہر سو رے و نہفت

ز بسکہ از دیدنش منور شدہ دل و دیدۂ اقارب — سروش سالِ ولادتِ او چراغِ دلہا و دیدہا گفت

1279

چہ[2] خوبی ہاے آں مسجد شنفتم — نظیر الکعبہ تاریخش بگفتم

1288

تاریخ تولد[3] فرزند،

ہوا پیدا جو یہ فرزند دلبند — خوشی کی پھر گئی ہر سو منادی

مجھے تھی فکر تاریخِ ولادت — نکو اختر ہے ہاتف نے ندا دی

1297

---

[1] کچھ معلوم نہیں کہ یہ کس کی تاریخِ ولادت ہے [2] مجھ سے مولنا امانت اللہ صاحب مرحوم نے بیان فرمایا کہ استاذ العلماء علی گڈھ کی جامع مسجد میں ہدایہ کا درس دے رہے تھے کچھ لوگ حاضر ہو کر ایک مسجد کی تاریخ کے طالب ہوئے چنانچہ برجستہ ان کی خواہش پوری فرما کر درس میں مشغول ہوگئے، یہ مسجد کہاں ہے اسکا کچھ پتہ نہیں، [3] غالباً کرامت اللہ کی تاریخ ولادت ہے جو اگست ۱۸۷۴ء میں پیدا ہوئے تھے ،

[1] ساخت چوں ایں خانۂ بےمثل را | انکہ از حق یافت شانے بےنظیر
سر بجیبِ فکر بردم بہرِ سال | ہاتفے گفتا مکانے بےنظیر
۱۲ ۹۳

فارغ از حج شدہ مخدومِ [2] من | حامیِ ملتِ شاہِ لولاک
بہرِ تاریخ رقم زد کلکم | خوش طوافِ حرمِ ایزدِ پاک
۱۲ ۹۵

---

[3] از محمد رضائے حسنین ست | بر زباں قصۂ سراپا سوز
بود در طفلی آں یگانۂ عصر | شیخِ فاراب را ادب آموز
نتواں در جہاں کمالے یافت | کہ نہ گردید ازاں نصیب اندوز
زاں جمالے کہ داشت بود بدہر | پدر و مام را رواں افروز
شجرِ زندگیش برگ و بار | نہ برآوردہ بود آہ ہنوز
کہ ز جورِ فلک بخاک افتاد | داد از دستِ سفلۂ کین توز
بنظر آمد اہلِ ماتم را | چوں شبِ تار و تیرہ روشن روز
بجگر زد غمش عزیزاں را | جاں ستاں تیر و ناوکِ دل دوز
بر زبانہاست نوحۂ تاریخ | ہا ہیہا زیں غمِ دل و جاں سوز
۱۲ ۹۶

رضائے حسنین کی دوسری تاریخ،

حیف کہ از جورِ چرخ نیرِ اوجِ کمال | باہمہ حسن و جمال در گوِ مغرب شدہ
از پئے تاریخِ او داد ندا ہاتفے | واقعہ جانگزا ہوشربا حادثہ
۱ ۲ ۹ ۶

---

[1] نہ معلوم کن صاحب کے مکان کی تاریخ ہے [2] نہ معلوم کہ کس کی طرف اشارہ ہے [3] یہ قطعہ کسی کی فرمائش سے لکھا تھا مزید تفصیل معلوم نہ ہو سکی

نواب محمود علیخان صاحب[۱] کے کوٹھی بنانے کی تاریخ ،

زہے نواب محمود علی خاں — فروغِ دین ضیائے چشمِ ایماں
سپہرِ شرع را رخشندہ ماہے — بہ بزمِ کامرانی کج کلاہے
دلِ او مظہرِ انوارِ عرفاں — ز سیمایش نمایاں نورِ ایماں
ز جود و خلق زاں ساں گشت دلشاد — کہ از حاتم نیارد ہیچکس یاد
ز امرش گشت در اندک زمانے — مرتب منزلے جنت نشانے
زہے منزل کہ خورشید جہانتاب — ز شوقِ دیدِ او بودست بیتاب
اگر سقفست در در جانفزا تر — ز ہر گوشہ نمایاں حسنِ دیگر
ندید او ندیدہ ہیچ دیدہ — نہ گوشے در صفاتش شنیدہ
اگر فردوس بر روئے زمین ست — ہمین ست و ہمین ست و ہمین ست
دلِ من بہرِ تاریخش چہ در سفت — مکانے عالی و عشرت فزا گفت

۱۲۹۲

نواب[۲] لطف علی خانصاحب کے تمغہ ملنے کی تاریخ ،

ز نواب گورنر یافت تمغہ — بوقتِ خوش کنور لطف علیخاں
مسیحی سال گر خواہی پئے یاد — طرب پیرائے تمغہ بر زباں راں

۱۸۷۹

نواب لطف علیخاں صاحب کی کوٹھی کی تاریخ ،

۱؎ نواب حاجی محمد محمود علی خاں صاحب رئیس اعظم چھتاری حال نواب حافظ سر احمد سعید خانصاحب کے جدِ امجد تھے ، دینداری میں مشہور اور استاذ الاساتذہ کے خاص قدردان ، ۲؎ سنہ ۱۸۷۹ء ہجری کے ۱۲۹۶ سے مطابق ہے ، نواب لطف علی خاں صاحب مرحوم رئیس دالب نگر نواب محمود علی خاں صاحب رئیس چھتاری کے بڑے صاحبزادے تھے ،

چو نواب لطف علیخاں کہ او | بود نیک کردار و ہم نیک خو
مطیع رسول و مطاعِ انام | ملاذِ جہاں مرجعِ خاص و عام
بنا کرد قصرِ گزین و حسیں | بحسن و صفا چوں بہشتِ بریں
دلم بہرِ سالش بآرزو زباں | بگفتا۔ بنا قصرِ جنت نشاں
۱۲۹۷

نواب لطف علیخان صاحب کے باغ کی تاریخ،

ہم آراست آں سرورِ نامجو | چو بستانِ فردوس باغِ نکو
سخن رانم از طول و عرضش چہ سال | کہ ناید ز وسعت بوہم وگماں
ز صہبائے حسن آمدہ پر ایاغ | ازانست تاریخِ او طرفہ باغ
۱۲۹۷

تاریخ وفات حکیم احمد بخش پلکھنوی،

چوں حکیم حاذق احمد بخش نام | رخت بستہ زیں جہانِ تنگنائے
بہرِ تاریخِ وفاتش ہاتفے | گفت واویلا دریغا ہائے ہائے
۱۳۰۱

تاریخ وفات مولوی[1] فیض الحسن صاحب سہارنپوری،

ازیں خرابہ چو فیض الحسن امامِ زمن | برست رخت و کشادہ بجنت الماوی
جہاں سیاہ درآمد بچشمِ اہلِ نظر | کشید سر بفلک شورِ آہ و واویلا

---

[1] مولوی فیض الحسن صاحب اپنے زمانہ کے مشاہیر علماء میں تھے علی گڈھ میں بھی رہے تھے اسی زمانہ میں استاذ العلماء سے بہت خصوصیت ہوگئی آخیر میں اورینٹل کالج لاہور میں پروفیسر ہوگئے اور وہیں انتقال کیا،

چہ گویمت ز کمالش کہ از فراوانی | چو خلق او نہ درآید بحیّزِ احصا
ادیب و فلسفی و فقہی و مفسّر بود | طبیبِ حاذق و حاجی و شاعرِ غرّا
ادب ز ذاتِ کریمش بداں مقام رسید | کہ کرد وقفِ تحیّر لبید و جاحظ را
بہر زباں سخنے دلپذیر می گفتے | چہ پارسی و چہ ہندی چہ تازی والا
بہ بزمگاہِ کمالش ز خوشہ چینانش | ابو نواس و فرزدق ظہوری و سودا
بلے ز خوبیِ گفتار بود طوطیِ ہند | ز علم و فضل و ہنر بود فاضلِ یکتا
خرد چو سالِ وفاتش بجست ہاتف گفت | بمرد فاضلِ طوطیِ ہند واویلا

۱۳۰۴ھ

تاریخ وفات مولوی عبدالحئی صاحب فرنگی محلی،

فاضلِ بے نظیر عبدالحئی | مہرِ اوجِ علا چراغِ ہند
ذات سے جنکی تھا یہ ہند کو فخر | عرشِ اعلیٰ پہ تھا دماغِ ہند
آہ دنیا سے کر گئے وہ سفر | چلی بادِ خزاں بباغِ ہند
تیرگی چھا گئی لگا ہونے | غم سے پر ہو گیا ایاغِ ہند
فکرِ تاریخ تھی کہ ہاتف نے | دی ندا بجھ گیا چراغِ ہند

۱۳۰۴

تاریخِ وفات[1] مولوی اسحاق صاحب اسرائیلی،

سبک بگذاشت این دارِ فنا را مولوی اسحٰق | بحکمِ حق ز فردوسش چو پیغامِ طلب آمد

---

[1] مولوی اسمٰعیل صاحب علیگڑھی کے چھوٹے بھائی اُستاذ العلماء کے بہت عزیز شاگرد اور مولوی عبدالقدوس صاحب پنجابی کے ہم سبق تھے، استاذ العلماء کو ان کے انتقال کا بہت رنج ہوا تھا،

کمالات و فضائل از وفاتش گشت ناپیدا — بزیرِ خاک از مرگش معانی و ادب آمد
ز مرگِ او عزیزاں سوگوار و ماتمیانند — اجل بہ این کہ چوں غارتگرِ عیش و طرب آمد
اگر از شعلہائے آہ شبہا روز ساں گشتہ — ز دودِ آہ دلہا روزہا مانندِ شب آمد
بوقتِ فکرِ تاریخِ وفات از غایتِ اندوہ — دریغا آہ ہایا ہائے وا ویلا بلب آمد

١٣٠٨ھ

مدرسۂ[1] فیضِ عام کانپور کے جلسۂ تکمیلِ علوم کی تاریخ،

جلسۂ تکمیل میں طالبوں کا ازدحام — دیکھ کہا عقل نے مدرسۂ فیضِ عام

١٣١٠ھ

تاریخ رویتِ ہلال رمضان سنہ ١٣١٠ھ،

دیدند بوقتِ شامِ اہلِ ایماں — ماہِ ماہِ صیام برچرخ عیاں
گفتم چہ بجست دلِ من سالِ ہلال — دیدند دلا ہلالِ ماہِ رمضان

١٣١٠ھ

تاریخ[2] نکاح شیخ حمید اللہ ساکن جلیسر،

از نکاحِ خوشش حمید اللہ — دلِ احباب ہمچو گل بشگفت
ہاتفے سالِ ایں ہمایوں عقد — اقترانِ قمر بزہرہ گفت

١٣١١ھ

تاریخِ ولادت فضل الرحمٰن پسر مولوی (مالک[3]) الرحمٰن دہلوی،

بخشید خدا بہ نیک بختی — فرزند کو نکو نہاد ست

---

[1] مدرسہ فیضِ عام وہ مدرسہ تھا جو مفتی عنایت احمد صاحبؒ نے جزیرۂ شور سے واپس آنے کے بعد کانپور میں قائم کیا اور خود دو برس اس میں درس دیا، اسکے بعد استاذ العلماء نے وہاں تدریس فرمائی، ملاحظہ ہو رسالہ استاذ العلماء ص ١٠، [2] شیخ حمید اللہ کیساتھ استاذ العلماء کی بھانجی کی شادی ہوئی تھی، [3] آخری دور کے ایک شاگرد کا نام،

ہر چشم خنک ز دیدنِ او
ہر دل ز نشاط بامراد ست

نامِ نامیش ہاتفِ غیب
فضل الرحمٰن خاں نہاد ست

تاریخِ ولادتِ سعیدش
فضل الرحمٰن زندہ باد ست

۱۲ ۱۳ ھ

متفرقات

رمضان[۵] کے گذر جانے پر،

مومنو کس خوابِ غفلت میں ہو تم
ہو رہے ہو حبِّ سیم و زر میں گم

ہے معاشِ دنیوی ہر وقت یاد
ایک دم کرتے نہیں یادِ معاد

غرق ہو لہو و لعب میں اس قدر
عاقبت کی کچھ نہیں تم کو خبر

اپنے مال و جاہ پہ مغرور ہو
رحمتِ حق سے نہایت دور ہو

ہے خبر کچھ تم کو اُس مہمان کی
جو گیا ہے تم سے رخصت ہو ابھی

---

۵ استاذ العلماء کو رمضان اور روزوں سے خاص الفت تھی آخیر عمر میں باوجود مریض اور شیخِ فانی ہونے کے روزے نہیں چھوڑے جس سال انتقال ہوا اس سال بھی روزے رکھے، گرمیوں کے روزے تھے، سہ پہر کو خاص توڑ کا وقت ہوتا ہے اچھے اچھے تندرست پریشان ہو جاتے ہیں مگر میں نے عجیب بات یہ دیکھی کہ استاذ العلماء پر اس وقت نہایت بشاشت ہوتی تھی، اور چہرہ بہت بارونق معلوم ہوتا تھا، عید الفطر کے روز ہمیشہ میں نے یہ رباعی پڑھتے سنا:

عید رمضاں آمد و ماہِ رمضاں رفت
صد شکر کہ ایں آمد و صد حیف کہ آں رفت

برخاست تمیز از بشر و سائر حیوان
زاں روز کہ ایں ماہِ مبارک ز میاں رفت

کس طرح سے تم سے وہ رخصت ہوا — شاد یا ناشاد بتلاؤ ذرا
کون مہماں حضرتِ ماہِ صیام — جس میں رحمت ہوتی ہو نازل مدام
جس میں ہوتا ہے ملائک کا نزول — جس میں ہوتی ہو دعا اکثر قبول
جس کو فرماتا ہے حق الصوم لی — اور کہتا ہے انا اجزی بہ
اسکی آمد کا کروں میں کیا بیان — تھا عجب دلچسپ اک اُس دم سماں
جس کو دیکھو ہر طرف سے تھا کھڑا — منتظر اُس کے قدومِ پاک کا
رحمتِ حق دفعۃً آئی نظر — نور سے روشن ہوئے دیوار و در
سب پکارے لو وہ مہماں آگیا — شوق جس کا تھا ہر اک دل میں بھرا
آیا رمضاں آیا رمضاں شور تھا — اور مبارکباد کا تھا غل مچا
فیضِ مہماں نے کیا ایسا اثر — ہوگیا مثلِ ملائک ہر بشر
کچھ نہ کھانے سے نہ کچھ پینے سے کام — یادِ حق میں محو تھا ہر خاص و عام
حکم رب سے باب جنت کے کھلے — بند دروازے جہنم کے ہوئے
جو شیاطین اور جو اشرار تھے — سب مقید حکمِ خالق سے ہوئے
مسجدوں میں روزہ داروں کا ہجوم — آسماں میں جیسے کثرت سے نجوم
ختمِ قرآں سے عجب اک نور تھا — شور جس کا قدسیوں میں تھا مچا
کرتے تھے افطار روزہ جس گھڑی — کیا بیاں ہو کیفیت اُس وقت کی
تھا مسرت سے ہر اک کا یہ کلام — شکر ایزد را کہ شد روزہ تمام
گردشِ افلاک سے وہ میہماں — ایک دم میں ہوگیا ہم سے نہاں
یک بیک وہ نور غائب ہوگیا — جو ہمارے دل کی ظلمت دھو گیا

اب نہ ہر وہ مسجدوں میں ازدحام — اور نہ افطاری کا ہے کچھ اہتمام
ہوگئی قدوسیت زائل تمام — اب تو کھانے اور پینے سے ہے کام
ہرگھڑی افسوس ہے دل کو یہی — کیسی نعمت وفعتہً جاتی رہی
اب تو ملنا ہوگیا اُس کا کٹھن — دور ہم سے ہے بہت اُس کا وطن
سال سے پہلے وہ اب ملتا نہین — سال بھر کے بعد دیکھینگے کہین
سال بھر جینا کسے معلوم ہے — سال بھر کی زندگی موہوم ہے
الوداع اے ماہِ رمضان الوداع — الوداع اے راحتِ جاں الوداع
الفراق اے مونس وغمخوارِ ما — الفراق اے غمگسار و یارِ ما
اے مہِ خیر و فضائل الوداع — اے مہِ نیکو شمائل الوداع
اے حسین ماہِ مواسات الفراق — اے گزین شہرِ مدارات الفراق
الوداع اے رحمتِ پروردگار — الوداع اے شافعِ روزِ شمار
اب بگوشِ دل ذرا اے مومنو — حالِ صومِ ماہِ رمضان کا سنو
قبر مین جس دم نکیرین آئیں گے — رب ترا ہے کون لب پر لائین گے
شکل ان کی ہوگی ہیبتناک تر — آنکھین نیلی جسم کالا سر بسر
ہوگا میت کو بہت اس دم ہراس — کوئی ہوگا واں نہ اُسکے آس پاس
روزہ دار و روزہ کام آجائیگا — میت اس غم سے رہائی پائے گا
جب سوا نیزہ پہ ہوگا آفتاب — پیاس سے ہوگا ہر اک کو اضطراب
تشنگی سے اس قدر گھبرائیں گے — العطش ہر دم زباں پر لائیں گے
روزہ داروں کو وہاں حق سے عطا — سرد پانی ہوگا اور ٹھنڈی ہوا

باب ریّان ہو انھیں کے واسطے ۔ جو بہت سرسبز اور سیراب ہے
وہ جو نفسی نفسی کا ہوگا مقام ۔ روزہ دار و روزہ واں آئیگا کام
عدل کی میزان جب ہوگی کھڑی ۔ خوف سے تھرائینگے سب اُس گھڑی
فضلِ حق سے بالیقین و بیگماں ۔ پلہ ہوگا روزہ دارون کا گراں
جبکہ اُس پل سے کرینگے سب گذر ۔ جو کہ ہوگا تیغ سے بھی تیز تر
کٹ کے دوزخ مین گرینگے بیشمار ۔ روزہ دار اک آن مین ہوینگے پار
الغرض روزہ ہو اک نعمت عجیب ۔ جو ہوئی ہے اہل ایمان کو نصیب
گر ہوا ہو اس میں کچھ تم سے قصور ۔ ہو نہ تم نومید از فضلِ غفور
ہے کشادہ بابِ توبہ مومنو ۔ صدقِ دل سے پیشِ رب توبہ کرو
بندۂ تائب سے ربِ ذوالجلال ۔ راضی و خوشنود ہوتا ہے کمال
اے خدا بہرِ رسولِ مصطفےٰ ۔ دام سے شیطان کے کر ہم کو رہا
نیک کاموں کی ہمیں توفیق دے ۔ اور عقائد کی دلی تصدیق دے
روزہ داروں کے لئے ہو جو جزا ۔ اے خدا ہم کو بھی وہ ہوئے عطا
اتباعِ سنتِ خیر البشر ۔ ہو ہمارے واسطے زادِ سفر
ہر گھڑی دل میں تری ہی یاد ہو ۔ یہ دلِ ویران بھی آباد ہو
اپنی رحمت کا پلا دے ہم کو جام ۔ جس سے زحمت دور ہو جائے تمام
تیرے ہی بندے ہیں گو ہیں پر گناہ ۔ تیرے ہی در کیطرف ہو سبکی راہ
چھوڑ کر تجھکو بھلا جائیں کہاں ۔ جز ترے در کے نہیں جائے اماں
گر نہ ہوگی تیری رحمت کی نظر ۔ قعرِ دوزخ میں پڑینگے سربسر

فضل تیرا اے خدا درکار ہے — فضل سے تیرے ہی بیڑا پار ہے
جب تلک زندہ رہیں دنیا میں ہم — رکھ شریعت پر ہمیں ثابت قدم
دارِ فانی سے کریں جس دم سفر — خاتمہ ہو کلمۂ توحید پر

مولوی[1] قمرالدین صاحب کے نام منظوم خط،

اے مرے مونس قمرالدین — صاحبِ فہم و عقل متین
فضلِ خدا سے شاد رہو — شاد رہو آباد رہو
نامہ جو تم نے بھیجا تھا — دل کو مسرت بخش ہوا
ہو گیا یہ معلوم مجھے — خط کے تمھارے مضموں سے
جس جگہ تم رکھتے ہو قیام — خوب جگہ ہے خوب مقام
شکر خداوند دو جہاں — جس نے تمھیں پہنچایا وہاں
فضل سے اس کے ہے یہ اُمید — شاد رکھے تم کو جاوید
میں بھی کبھی گرتا پڑتا — پاس تمھارے پہنچوں گا
حال کروں کیا اپنا رقم — ہو گیا ہوں میں صورتِ غم
گرچہ پڑھاتا ہوں میں سبق — دل نہیں لگتا پر مطلق
جب میں فراغت پاتا ہوں — اپنی جگہ پر آتا ہوں،
ہوتا ہے دل کا پھر وہی حال — وہی تصوّر وہی خیال

---

[1] مولوی قمرالدین صاحب پنجابی استاذ العلما ر کے شاگرد اور مولنٰنا بشیر احمد صاحب کے ہم سبق تھے، اجمیر میں قیام تھا رسالہ استاذ العلما (ص ۲۸) میں لکھا ہی کہ رسالہ مآل التہذیب کے مدیر تھے، یہ خط یقیناً ۱۸۸۳ء مطابق ۱۳۰۱ھ کا ہے کیونکہ مولوی عبدالقادر صاحب کا انتقال اسی سنہ میں ہوا تھا،

گھر کا مرے ہے حال عجیب — جو کہ نہ ہو دشمن کو نصیب
عبدالقادر کی بیوی — ہو گئی بیوہ ہو گئی جی
طرفہ کہ میں جیتا ہوں مگر — گھر میں مرے بیوہ سے بتر
چھوڑ دیا سب اپنا سنگھار — اپنے کپڑے ڈالے اُتار
پھٹے پرانے سے ہے کام — رونے میں دن رات مدام
پلکھنے میں جاتا ہوں اگر — با دلِ زار و دیدۂ تر
دیکھ کے شکل اُن دونوں کی — ہوتی عجب حالت ہے مری
دل میں قلق اور لب پر آہ — اشکِ رواں اور حالِ تباہ
کرکے بسوے چرخ نظر — کہتا ہوں اے چرخِ اخضر
ہم پہ کیا یہ تونے ستم — چھٹ پڑا سر پر کوہِ الم
پیارا مرا اے بانیِ جور — رہتا اگر زندہ کچھ اور
اس میں بگڑتا کیا تیرا — تیرے تو فخر کا باعث تھا
جاتا ہوں میں پھر خستہ جگر — مرقدِ عبدالقادر پر
دیکھ کے وہ نورانی قبر — دل کو نہیں رہتا ہے صبر
مضطربانہ روتا ہوں میں — آنسوؤں سے منہ دھوتا ہوں میں
کہتا ہوں سبزۂ تربت سے — عبدالقادر ہے کیسے
قبر سے پھر کرتا ہوں خطاب — اے مرے پیارے کی جائے خواب
ہو نہ مرے پیارے کو ملال — اس کا ہمیشہ رکھنا خیال
جس کو لیا ہے تونے چھپا — میرے جگر کا ہے ٹکڑا

جس کو فلک نے مارا ہے میری آنکھ کا تارا ہے
الغرض ایسی باتیں کر لوٹ کے پھر آتا ہوں گھر
تم ہی کہو اے قمر الدین کیوں نہ ہوں میں رنجور و غمین
جس کا کہ ہووے حال ایسا زیست کا اُس کو لطف ہو کیا
حق سے ہے ہر دم اب یہ دعا غم سے ہیں فرمائے رہا
اپنی محبت کا دے جام اپنی ہی یاد کو رکھے مدام
دل میں نہ آئے یادِ غیر خاتمہ ہو جائے بالخیر
نامہ کو اب کرتا ہوں تمام تم رہو خوش اور شاد مدام

مولوی عبد الغنی خاں صاحب[1] کے نام خط،

اے مہر سپہر خوش بیانی اے نیّر اوجِ نکتہ دانی
اے گلشن نظم را گل پور اے گلبن نثر را گل تر
اے آنکہ ز ہجر تو چنانم کز ہستیِ خویش در گمانم
تا چند بشکوہ لب کشائی تا کے ز در شکایت آئی
میداں بیقیں کہ من نہ آنم کز بابِ نفاق حرف خوانم
آنم کہ ز عہد بر نہ گردم در وصفِ وفائے عہد فردم
چوں غیر رضائے تو نہ جویم کے ترکِ محبتِ تو گویم
چوں بے تو بدردِ غم نشینم کے از تو فراموشی گزینم

---

[1] مولوی عبد الغنی خاں صاحب اولین شاگردوں میں تھے، ملاحظہ ہو رسالہ استاذ العلما ص ۱۰،

وین حرفِ گله که درمیان ست — از جور و جفاے ڈاکیان ست
مکتوبِ مرا به باد دادند — حرفِ گله است بیاد دادند
زین راهزنانِ مردم آزار — خلقے ست بصد الم گرفتار
بگذر ز کلامِ شکوه آمیز — برخیز بیا بیا و برخیز
زود آکه ز حد گزشت دوری — زود آکه محال شد صبوری
حالِ سفر و وطن همین ست — کیں چرخ بکامِ من بکین ست
هر فکر که می رود دریں کار — از بازیِ چرخ ناآورد بار
هیهات که این سپهرِ بے مهر — ریزد هر دم بکامِ من زهر
وقت ست که از جفاے این دوں — نالم بدرِ خدا اے بیچوں
باشد که ز ابرِ رحمتِ او — آید بمن آبِ رفته درجو
چوں نامه رسید تا باینجا — ختمش بسلام لازم آمد

اے مهرِ سپهرِ جاه و عزت — حق رکھے آپ کو سلامت
خط آپ کا میرے پاس آیا — سر پر رکھا آنکھوں سے لگایا
وصف اسکا بیان کیا کروں میں — حیرت زده اُس کو دیکھہوں میں
زریں چو عذارِ ماه رویاں — لعلین مثلِ لبِ نکویاں
نظم اُس کی دلفریب و دلکش — چوں طرهٔ شاهدانِ مهوش
قاسم دیوانهٔ فصاحت — سودا سودائی بلاغت

(۱) اس خط کے مخاطب کا کچھ پتہ نہ چلا۔

جرأت جرات کہاں یہ پانے — جو اس کے مقابلہ کو آئے
مومن کی جو نظم سے ملایا — مومن کافر کا فرق پایا
مضمون وہ نوید فرحت افزا — مدت سے جس کی تھی تمنا
الحمد لخالق البرایا — جس نے یہ خوشی کا دن دکھایا
افسوس وہ نامۂ مکرم — آیا بندہ کے پاس اُس دم
آمادۂ چلنے تھا جس آن — با اہل و عیال جملہ سامان
اسباب جو تھا کسا بندھا تھا — چھکڑوں کو تلاش کر رہا تھا
تاریخ جو آپ نے لکھی تھی — تھا اس میں ایک روز باقی
شرکت جو میری ہوتی منظور — خط پہلے سے آتا حسب دستور
مہلت گر چار دن کی پاتا — اس بزم میں سر کے بل میں آتا
کیا کیجئے کہ تھا یہی مقدر — یعنی شرکت نہ ہو میسر
اب ختم کلام ہے دعا ہے — آمین کو ہر اک ملک کھڑا ہے
دولہ و دلھن رہیں سلامت — با عیش و نشاط تا قیامت

دریں خرابہ قرار ندادہ اند مگر — ہمیں قدر کہ توانیم بست رخت سفر
خوش آں کسیکہ ازیں لجۂ بلا انگیز — چناں گذشت کہ اصلا نگشت دامن تر
بحال زار خودم گریہ ہا ہمی آید — کہ آب فتنہ مرا در گذشتہ است ز سر
نہ از خرابی انجام آگہی دارم — نہ از تباہی اعمال زشت ہست خبر
ز فکر ہر دو جہاں پاک و رستگار شوم — اگر رفیق شود لطف خالق اکبر

درّہ[1] دُورہ چوں تو ئی ہنر ور پرور | دارد اسے وے چوں منے اہلِ ہنر
آب و خور خود ز چہ ز چرخِ اخضر | از آبِ روانِ چشم و از لختِ جگر

رمضان کی آمد پر،

یہ ہر طرف ہے ندا ے نقیبِ ماہِ صیام | کہ مومنو اٹھو غفلت سے اب ہے خواب حرام
مہ مبارک رمضان کا ہے قریب نزول | ہو مستعد بدل و جاں پیے صیام و قیام
ہو بیخودی کی یہ حالت عبادتِ حق میں | نہ آب کی ہو تمنا نہ آرزوے طعام
ہجوم ایسا تراویح میں ہو ہر جانب | کہ ہر طرف نظر آجائے شوکتِ اسلام
بصد سرور یہ لب پر ہو جب کرو افطار | ہزار شکر کہ روزہ ہوا ہمارا تمام

مولوی عبدالغنی خاں صاحب کے نام،

اے آنکہ ترا فخرِ زمن میدانم | مجموعۂ اخلاقِ حسن میدانم
ہجرِ تو چہ گویم کہ چہا کرد بمن | حق داند و تو دانی و من میدانم

آنکس[2] کہ ز صبح تا بوقتِ خفتن | ماند بکشا کشے کہ نتواں گفتن
پیدا است کز و نباید اصلا کارے | جز دانہ اشکہا بمژگاں سفتن

حافظ[3] نظام الدین صاحب جوش کے نام،

اے آنکہ منم بستۂ احسانِ تو | سر بر نہ زنم گاہ ز فرمانِ تو

---

[2] اس رباعی کے مخاطب کا کچھ پتہ نہ لگا۔ [3] اس رباعی کو استاذ العلماء اکثر میرے سامنے نہایت لطیف انداز میں پڑھا کرتے تھے

بگذر ز خطائے کہ برفت از کلکم　　اے جان و دلم باد بقربان تو

مولوی عبدالشکور خانصاحب[۱] کے نام،

اے آنکہ ز علم حظ و افر داری　　وز خلق قلوب خلق در دست آری

بگذر از ہرزہ من ہرزہ درائی　　یارب وہدت مدام فضل باری

صاحبزادہ مولوی عبدالقادر صاحب کے نام،

اے نور دو دیدہ ام سلامت باشی　　باشوکت و حشمت و کرامت باشی

از چشم بداندیش وہم از فتنۂ دہر　　محفوظ و مصون تا بقیامت باشی

مدام[۳] تا کہ جہان ہست در جہاں باشی　　ز چشم زخم بداندیش در اماں باشی

بنامۂ چو مئے را بیاد آوردی　　بدہر فائز مقصود و کامراں باشی

دنیا سے کوچ احمد مختار کر گئے　　بوبکرؓ اور حیدر کرار کر گئے

عثمانؓ اور عمرؓ بھی یہاں سے چلے گئے　　اقطاب و اولیا بھی یہاں سے چلے گئے

دنیا میں کوئی آکے ہمیشہ رہا نہیں　　جز ذات کردگار کسی کو بقا نہیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۹) ۳ حافظ نظام الدین صاحب بساطی کوڑوی استاذ العلماء کے کانپور تشریف لیجانے سے قبل کے شاگرد تھے، ذی علم شاعر تھے خوش تخلص تھا مفتی عنایت احمد صاحبؒ کے جزیرہ شور سے رہائی کی تاریخیں انھوں نے بھی کہی تھیں، استاذ العلماء ان سے بہت محبت کرتے تھے، ۱۴ اکتوبر ۱۸۷۵ء کو انتقال کیا، ۱ مولوی عبدالشکور خانصاحب بھیکم پور ضلع علیگڑھ کے رئیس اور استاذ العلماء کے خاص قدردان مہمان نوازی اور خوش خلقی میں مشہور تھے، نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن خانصاحب شروانی موصوف کے حقیقی بھتیجے ہیں، ۲ اس رباعی کے مخاطب کا بھی پتہ نہ چل سکا،

(طابع محمد اویس وارثی)